قوموں کا عروج و زوال[1]

رضی الدین صدیقی

ہر وہ شخص جسنے تاریخ عالم کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے واقف ہے کہ دنیا میں بہت سی قومیں آئیں ۔ ایک عرصہ تک بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہیں اور پھر دوسری قوموں کو اپنی جگہ دیکر ختم ہوگئیں ۔ اقوام و ملل کے عروج و زوال کے اسباب کیا ہیں اور یہ کن قوانین کے ماتحت وقوع پذیر ہوئے ہیں ان کو دریافت کرنے کے لئے ہمیں کلام الہٰی کی طرف رجوع کرنا پڑیگا ۔ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا ہے ''ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین'' یعنی بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث کردے اور عاقبت ان لوگوں کے لئے ہے جو متقی ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین خدا کے سوا کسی کی میراث نہیں ۔ اقوام کو یہ میراث خدا کے حکم سے عطا کی جاتی ہے ۔ کن لوگوں کو یہ وراثت ملتی ہے اس کی تشریح اس آیت کے علاوہ دوسری آیتوں میں بھی کی گئی ہے ، چنانچہ ارشاد ہوا ہے ''وعد اللہ الذین امنکم آمنو و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذی من قبلھم '' یعنی اللہ نے ان لوگوں کو زمین پر خلیفہ بنانے کا وعدہ کرلیا ہے جو ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح کیا، جس طرح ان کے اگلوں کو اس نے خلیفہ بنایا'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خلافت حاصل کرنے کے لئے دو اجزاء ضروری ہیں (۱) ایمان اور (۲) عمل صالح ۔ اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے۔

حق جہاں را قسمت نیکاں شمرد جلوہاش بادیدہ مومن سپرد

جب کسی قوم کو اسکی اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر مسند خلافت عطا ہوتی ہے تو پھر بلا وجہ اسکو اس مقام سے نہیں ہٹایا جاتا ۔ چنانچہ فرمایا ہے : ۔

---

۱ خطبۂ صدارت یوم اقبال ۱۹۶۰ء منعقد زیر اہتمام اقبال اکادمی کراچی

"وما کان ربک لیہلک القری واھلھا مصلحون" یعنی "ایسا نہیں ہو سکتا کہ تیرا پروردگار قریوں کو بلا وجہ تباہ کر دے حالانکہ اس کے باشندے نکو کار ہوں"۔

لیکن اگر کوئی قوم خلافت کی اہلیت اور صلاحیت کھو بیٹھے یعنی ایمان اور عمل صالح سے دور ہو جائے تو پھر چاہے وہ بظاہر کتنی ہی طاقت ور نظر آئے کوئی قوت اس کو منصب خلافت پر بحال نہیں رکھ سکتی "اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبہ" الذین من قبلھم وکانوا اشد مبھم قوۃ یعنی کیا لوگ زمین پر سیر نہیں کرتے تاکہ اپنے پیشروں کا انجام دیکھیں جو کبھی قوت میں ان سے زیادہ تھے"۔

پھر کہا گیا ہے کہ ھلاکت صرف ان ہی قوموں کے لئے مختص ہے جو فاسق اور بدکار ہوتی ہیں "فھل یہلک الاالقوم الفاسقون"۔

یہ ہے وہ قانون جو قوموں کے عروج اور زوال کے اسباب کی نشاندھی کرتا ہے اور جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ ھمیشہ سے یہی ھوتا آیا ہے اور ھمیشہ یہی ھوتا رہیگا۔ "سنۃ" اللہ فی الذین خلوا من قبل۔ ولن تجد لسنۃ" اللہ تبدیلا" یہی قانون تھا ان لوگوں کے لئے جو پہلے گذر چکے ھیں۔ اور قانون الہیٰ میں تم کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

انہی قوانین الہیٰ کی اقبال نے مختلف مقامات پر تشریح کی ہے اور انہیں مقتضائے زمانہ کے مطابق جدید اور دلچسپ پیرایوں میں بیان کیا ہے تاکہ وہ دلنشین ھو جائیں۔

قومیں افراد سے بنتی ھیں اور قوموں کا عروج و زوال افراد کی صلاحیت اور نا اھلی سے وابستہ ھوتا ہے۔ فرد کی زندگی اور ترقی کا اصل محرک اپنی انا یا خودی کی حفاظت کا جذبہ ہے۔ اس لئے جو قومیں ترقی کرنا چاھتی ھیں ان کے افراد کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی شخصیت اور صلاحیتوں کی تربیت کریں تاکہ وہ مستحکم ھوں اور ارتقاء کے زینے طے کریں۔ ہر وہ چیز جو انسانی شخصیت کو اجاگر کرے خیر ہے اور جس چیز سے شخصیت کمزور ھو جائے وہ شر ہے۔ خودی کی شخصیت کے تین پہلو ھوتے ھیں، جسمانی، ذھنی اور روحانی۔ ان تینوں پہلوؤں کی متناسب طور پر نشو و نما ھو اور ان میں ھم آھنگی پائی جائے تو پھر فرد کی ذات تکمیل کی طرف آگے بڑھتی ہے اور اس سے قوم اور جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ہر پہلو کی نشو و نما کے لئے کافی ریاضت اور محنت کی ضرورت ہے۔ ترقی پذیر قوموں میں ھمیشہ دیکھا جاتا ہے

کہ ان کے افراد ہر قسم کی شدید محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں اور جب قوم کے زوال کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے تو ان افراد میں تن آسانی اور راحت پسندی سرایت کر جاتی ہے - اس نکتہ کی طرف اقبال نے نہایت بلیغ اشارہ کیا ہے :-

میں تجھ کو بتاتا ہوں ، تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول ، طاؤس و رباب آخر

اس لئے اقبال ہمیشہ تن آسانی کے خلاف تنبیہہ کرتے ہیں اور اپنی قوم خصوصاً نوجوان افراد کو اس میں مبتلا دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو روتے ہیں :-

ترے صوفے ہیں افرنگی ، ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھکو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

کس قدر درد اور سوز سے بھرا ہوا ہے یہ شعر جس میں وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں :-

دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مرد تن آساں تھا، تن آسانوں کے کام آیا

اسلام نے انفرادی ذمہ داری اور سعی عمل کو زندگی کا اصل اصول قرار دیا ہے - اسی سعی و عمل کی بدولت انسان خود کو اشرف المخلوقات ثابت کر سکتا ہے - خدائے تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ کسی شخص کا عمل ضایع نہیں جاتا '' انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی ''

اقبال نے اپنے خطبات میں آیۂ کریمہ '' انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا و اشفقن منھا و حملھا الانسان '' کی تشریح یوں کی ہے کہ جس امانت کا بوجھ آسمان، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کردیا وہ شخصیت اور احساس خودی کی ذمہ داری تھی جسے انسان نے قبول کر لیا - اسی ذمہ داری کی بدولت اس کی تمام تر فضیلت اور عظمت پیدا ہوئی اور اسی سے اس میں اتنا اعتماد پیدا ہوا کہ نہ صرف حقائق اشیاء کا علم حاصل کر سکے بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق فطرت میں تصرف کر سکے - اپنی اس استعداد کی بدولت وہ رفعت و کمال کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے اور اپنے علم و محبت کو اتنا وسیع کر سکتا ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں - انسانی فضیلت اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ اس کی فطرت کو فطرت الٰہی کے مطابق ٹھہرایا گیا '' فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا '' اور اس کو اختیار دیا گیا

کہ اپنے فکر و عمل سے حالات و حقائق میں تغیر کرے۔ اس کے تصور اور ارادہ کو آزاد چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ کائنات کو مسخر کرے۔ ایجاد اور تخلیق فطرت الٰہی کی خصوصیت ہے چنانچہ انسان میں بھی یہ وصف ایک حد تک ودیعت کیا گیا کہ وہ ایجاد اور تخلیق کے ذریعہ اپنے ماحول پر قابو پائے اور نئی نئی اشیاء بناتا رہے۔

جاوید نامہ میں افلاک کی سیر کرتے ہوئے اور فردوس بریں سے گزر کر جب اقبال حضور باری میں پہنچتے ہیں تو اس کرۂ خاکی کی موجودہ حالت کی طرف جناب باری کی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ اس کے جواب میں ندائے جمال آتی ہے جس میں تخلیق عالم کی حقیقت بتلائی گئی ہے اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

زندگی هم فانی دهم باقی است   این همه خلاقی و مشتاقی است
زندهٔ؟ مشتاق شو خلاق شو   همچو ما گیرندهٔ آفاق شو
در شکن آن را که نا ید ساز گار   از ضمیر خود دگر عالم بیار
بندهٔ آزاد را آید گران   زیستن اندر جهان دیگران
هر که او را قوت تخلیق نیست   پیش ما جز کافر و زندیق نیست
مرد حق برنده چون شمشیر باش   خود جهان خویش را تقدیر باش

انفرادی ذمہ داری کا احساس، سعی و عمل کی توفیق اور ایجاد و تخلیق کی صلاحیت افراد کی بھی تین بڑی صفتیں ہیں جن کی بنا پر وہ اپنی قوم کو بام ترقی کے انتہائی زینہ تک لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اقبال اپنے خطبات میں لکھتے ہیں:-

"انسان کے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی کائنات کی گہری آرزوؤں میں شریک ہو اور اس طرح خود اپنے مقدر اور کائنات کی تقدیر کی تشکیل کرے۔ کبھی وہ کائنات کی قوتوں سے اپنے تئیں مطابق بناتا ہے اور کبھی ان کو پوری قوت کے ساتھ اپنے مقاصد کے مطابق ڈھالتا ہے۔ اس تدریجی تغیر کے عمل میں خدا خود اس کا شریک کار ہوتا ہے بشرطیکہ انسان کی طرف سے اقدام کیا گیا ہو:-

ان اللہ لا تغیر ما بقوم حتی یغیر و ما با نفسہم۔ اگر انسان کی طرف سے اقدام نہیں ہوتا اور وہ اپنے وجود کے قویٰ کو ترقی نہیں دیتا، اگر وہ زندگی کے بڑھتے ہوئے دھارے کا زور محسوس نہیں کرتا تو اس کی روح پتھر بن جاتی ہے اور وہ مثل مردہ مادہ کے ہو جاتا ہے"۔ (خطبات ص ۱۲)

اب افراد سے گذر کر قوم کی طرف بڑھئے تو معلوم ہو گا کہ قوم کی ترقی کے لئے سب سے پہلے اس کے ذصب العین (Ideology) کے تعین اور تحفظ کی ضرورت ہے۔ جب کوئی قوم اپنی تہذیب اور اپنی عملی روایات پر یقین نہیں رکھتی اپنی عقل کو دوسروں کی افکار کی زنجیر میں گرفتار کرتی اور اپنی تمناؤں کو دوسروں سے مستعار لینے میں تامل نہیں کرتی تو پھر وہ نیابت الٰہی کے حق سے دست بردار ہو جاتی ہے :-

عقل تو زنجیرئی افکار غیر — در گلوئی تو نفس از تار غیر
بر زبانت گفتگو ها مستعار — در دل تو آرزوها مستعار
باده می گیری بجام از دیگران — جام هم گیری لوام از دیگران
آفتاب استی یکے در خود نگر — از نجوم دیگران تابے مخر
تا کجا طوف چراغ محفلے — از آتش خود سوز اگر داری دلے

قوم اسی وقت زندہ رہ سکتی ہے جب کہ وہ اپنے ناموس کہن کی حفاظت کرے اور اپنے مقصود حیات کو فراموش نہ کرے ۔ جماعتیں اپنی سر گزشت کے ذریعے اپنے مقاصد کا تعین اور اپنے اجتماعی وجود کو مستحکم کرتی ہیں :-

زنده فرد از ارتباط جان و تن — زنده قوم از حفظ ناموس کهن
مرگ فرد از خشکی رود حیات — مرگ قوم از ترک مقصود حیات

جاوید نامہ کے سفر میں اقبال جب سوئے افلاک پہنچکر ذات باری سے مخاطب ہوئے ہیں تو ایک بار پھر عرض کرتے ہیں کہ جو قوم ایک مرتبہ مردہ ہو چکی وہ دوبارہ کیونکر زندہ ہو سکتی ہے :-

چیست آئین جہان رنگ و بو — جز کہ آب رفته می ناید بجو
زندگانی را سمر تکرار نیست — فطرت او خوگر تکرار نیست
زیر گردوں رجعت او ناروا ست — چوں زپا افتاده قومے بر نخواست
ملتے چون مرد کم خیزد زقبر — چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر

اسکے جواب میں ندائے جمال آتی ہے کہ قوموں کی زندگانی کا راز وحدت افکار و کردار میں پوشیدہ ہے :-

"چیست ملت اے کہ گوئی لاالہ — با هزاران چشم بودن یک نگه
اهل حق راحجت و دعوے یکے ست — خیمه هائی ماجدا دلها یکے ست
ذره ها از یک نگاهی آفتاب — یک نگه شو تا شود حق بی حجاب
ملتے چون می شود توحید مست — قوت و جبروت می آید بدست

روح ملت را وجود از انجمن روح ملت نیست محتاج بدن
مردۂ از یک نگاہی زندہ شو بگزر از بی مرکزی پائندہ شو

سیاسی محکومیت سے زیادہ خطرناک ذہنی غلامی ہوتی ہے جب کہ کوئی قوم اپنے نصب العین کو چھوڑ کر کسی دوسری جماعت کے خیالات اور افکار کو اختیار کر لیتی ہے اور انہی کے مطابق عمل کرنا شروع کرتی ہے۔ اسی لئے قوموں کے عروج و زوال میں (Ideology) کا بھی بڑا عنصر ہوتا ہے اور قوم کی ترقی کے لئے سب سے پہلے لازمی شرط بقول اقبال ''تطہیر فکر'' یعنی افکار کو پاک و صاف کرنا ہے۔

اس کے بعد ایک اہم سوال فرد اور جماعت کے باہمی تعلق کا ہے۔ وہی معاشرہ ترقی پسند ہوگا جس میں اس مسئلہ کو بحسن و خوبی حل کیا گیا ہو۔ جس قوم میں فرد اور سوسائٹی کا رشتہ مناسب اور فطرت کے مطابق ہوگا اسکی ترقی کے امکانات وسیع ہونگے اور جہاں افراد اور جماعت میں باہمی نزاع اور کشمکش پائی جائے وہاں ترقی مفقود ہوگی۔

فرد اور جماعت کے اغراض و مقاصد میں کوئی دائمی تضاد نہیں۔ وہی سوسائٹی فطرت کے مطابق ہوگی جس میں انفرادی خودی کو اپنی نگہبانی اور پرورش کا موقع حاصل ہو اور اس کے ساتھ اجتماعی مفاد کو بھی ٹھیس نہ لگے۔ جس طرح وہ شخص جو قافلہ میں سفر کرتا ہے سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ اپنا وجود بھی برقرار رکھتا ہے' یہی حال کاروان زندگی کا ہے جس میں ہر فرد سب کے ساتھ بھی ہے اور سب سے جدا بھی۔ اس حقیقت کو اقبال نے مختلف موقعوں پر نہایت بلیغ پیرایہ میں پیش کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں:-

زندگی انجمن آرا و نگہ دار خود است
اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو' باہمہ رو

جو لوگ زندگی کے اس راز سے واقف ہوتے ہیں وہ اس طرح رہتے ہیں کہ

برون ز انجمنی' در میان انجمنی
بخلوت اند ولے آن چنان کہ باہمہ اند

فرد اور جماعت کے اس تعلق کا اقبال نے اپنے لکچر ''ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر'' میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس لکچر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فرد کو جماعتی زندگی کی اخلاقی اقدار کا تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔

فرد کی شخصیت عمرانی ماحول کے بغیر روشن نہیں ہوسکتی ۔ خودی کی تربیت جو زندگی کا مقصد ہے تنظیم ملت کے بغیر ممکن نہیں ۔ اس لئے ضروری ہے کہ فرد کے جسمانی اور روحانی قویٰ وقف ہوں اجتماعی زندگی کے مقاصد کے لئے جنکی خاطر وہ زندہ رہتا ہے ۔

افراد جلد جلد مٹنے والے ہیں لیکن قومیں اپنی آئندہ نسلوں کے ذریعہ اپنی زندگی کو دائمی بنا لیتی ہیں۔ ان کی زندگی غیر محدود ہوتی ہے۔ یوں سمجھئے کہ اگر چمن کے پھول مرجھا جائیں تو فصل بہار پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ جواہرات کے معدن میں سے اگر ایک دو جوہر ٹوٹ جائیں تو معدن میں کوئی کمی نہیں ہوتی ۔ خم ایام میں سے روز و شب کے بے شمار جام بے بہ بے میخواران حیات کو ملتے ہیں لیکن وہ جیسا تھا ویسا ہی رہتا ہے ۔ اسی طرح ملت کی تقویم فرد کی تقویم سے جداگانہ ہے اور اس کے جینے مرنے کا قانون بھی مختلف ہے :-

فصل گل از نسترن باقی تراست — از گل و سرو سمن باقی تراست
کان گوہر پرورے گوہر گرے — کم نہ گردد از شکست گوہرے
صبح از مشرق ز مغرب شام رفت — جام صد روز از خم ایام رفت
بادہ ہا خوردند و صہبا باقی است — دوش ہا خون گشت وفردا باقی است
ہم چنان از فرد ہائے بے سیر — ہست تقویم اسم پائندہ تر
در سفر یاراست و صحبت قائم است — فرد رہ گیر است و ملت قائم است
ذات او دیگر صفاتش دیگر است — سنت مرگ و حیاتش دیگر است

افراد کے دل میں جماعت کی خاطر ایثار اور خود فراموشی کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اسکو اقبال ''بے خودی'' سے تعبیر کرتے ہیں ۔ خودی اور بے خودی کے باہمی توازن اور ہم آہنگی کی بناء پر ہی قومیں ترقی اور کامرانی کی شاہراہ پر آگے بڑھتی ہیں :-

فرد را ربط جماعت رحمت است — جوہر او را کمال از ملت است
تا توانی با جماعت یار باش — رونق ہنگامۂ احرار باش
فرد می گیرد ز ملت احترام — ملت از افراد می یابد نظام
در جماعت فرد را بینیم ما — از چمن او را چو گل چینیم ما
فطرتش وا رفتۂ یکتائی است — حفظ او از انجمن آرائی است

فرد جب اپنے آپ کو ملت کا پابند بنا لیتا ہے اور معاشرہ کی خدمت

میں منہمک ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے وجود کے بلند ترین مقام تک پہنچتا ہے۔ فرد اور جماعت کا تعلق ایک قسم کا زندہ عضوی (organic) تعلق ہے۔ اپنے آپ کو اگر چاہے بھی تو جماعت سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ فرد کی تکمیل ذات سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے تعلقات کو جماعت کے ساتھ استوار کرے ورنہ وہ اس درخت کے مثل ہوگا جسکی جڑیں اکھڑ گئی ہوں۔ انسانی ارتقاء کا منتہا یہ ہے کہ فرد اور جماعت کے اقدار حیات میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ جو تمدن اس مقصد میں کامیاب ہوتا ہے وہی زندگی کی گتھیوں کو اچھی طرح سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اقبال کے نزدیک جس خوبی سے اسلامی تمدن میں فرد اور جماعت کے تضاد کو رفع کیا گیا ہے اور مادی اور روحانی زندگی میں جو امتزاج پیدا کیا گیا ہے وہ خود اس امر کا ضامن ہے کہ اسلامی تمدن ہر قسم کے جوکھوں میں پڑ کر اور جلا پائے گا اور بڑے بڑے انقلابوں کے باوجود اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے گا۔ انقلابوں کو جھیلنا جماعتوں کی قوت حیات پر دلالت کرتا ہے اور تغیرات سے عہدہ برآ ہونا صرف اجتماعی اقدار ہی کی بدولت ممکن ہے۔ نئے حالات سے مطابقت جماعتوں کو دوام بخشتی ہے۔ ہر انقلاب کے بعد اسلامی تہذیب نے اپنے آپ کو از سر نو زندہ کیا۔ تاتاری حملے کی مثال اسلامی تاریخ میں موجود ہے جسکی بدولت کعبہ کو نئے پاسبان مل گئے۔

اسی مضمون کی طرف رموز بیخودی میں اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے بتایا ہے کہ اسلامی تہذیب اپنے اندرونی جوش حیات و بقا کی بدولت ہر نمرود کی آگ کو گلزار بنا سکتی ہے۔ انقلاب زمانہ کے شعلے جب گلشن اسلام تک پہنچتے ہیں تو پھر انہی شعلوں سے بہار تازہ نمودار ہوتی ہے۔ یونانی علم و حکمت، رومیوں کی جہانگیری، مصری اور ساسانی شان و جبروت، سب کے سب ایک ایک کر کے انقلاب زمانہ کے شکار ہو گئے۔ لیکن ملت اسلامیہ کے عزم حیات میں آج بھی کمی نظر نہیں آتی :-

آتش تاتاریاں گلزار کیست؟ — شعلہ ہائی او گل دستار کیست؟
از تہ آتش بر اندازیم گل — نار ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلاب روزگار — چوں بہ باغ ما رسد گردد بہار
رومیان را گرم بازاری نماند — آن جہانگیری جہان داری نماند
شیشۂ ساسانیاں در خوں نشست — رونق خمخانۂ یوناں شکست

مصر هم در امتحان ناکام ماند استخوان او تہ اہرام ماند
درجہاں بانگ اذاں بودست وہست ملت اسلامیاں بودست و ہست

میں نے ابتدا میں قرآنی آیات کے ذریعہ تشریح کی ہے کہ نیابت الٰہی اور زمین پر حکمرانی کے لئے ایمان اور عمل صالح ناگزیر ہیں۔ ایک موقع پر قرآن نے بتایا ہے کہ ارتقائے مدارج کے لئے ایمان کے ساتھ علم بھی ضروری ہے ''ویرفع اللہ الذین آمنو والذین اوتوالعلم درجات''۔ ایمان' عمل صالح اور علم' یہی اقانیم ثلاثہ ہیں جنکے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں اور جنکی عدم موجودگی میں قوموں کا زوال لازمی ہے۔ ایمان کے متعلق اقبال کہتے ہیں:۔

ولایت' پادشاہی' علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہ' ایمان کی تفسیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ایمان کے بعد دوسرا عنصر عمل صالح کا ہے۔ نیابت الٰہی انہی کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے عمل اور کردار سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کرتے ہیں۔ جس جماعت میں جوش عمل کی بنا پر جذب وتسخیر کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر اس کے غلبہ اور تسلط کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ وہ اپنے جوش کردار اور اعمال صالحہ کی بنا پر تقدیر کے راز بھی معلوم کر سکتی ہے:۔

راز ہے راز ہے تقدیر جہان تگ و تاز
جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
صف جنگاہ میں مردان خدا کی تکبیر
جوش کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

اقبال نے اپنے کلام میں عمل کی ترغیب مختلف پیرایوں میں دی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر کہتے ہیں:۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قم باذن اللہ
وہی زمین وہی گردوں ہے قم باذن اللہ
کیا نوائے اناالحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خون ہے قم باذن اللہ

زبور عجم کی وجد آفریں نظم کا ایک بند ہے:۔

تخت جم و دارا سر را ہے نفرو شند این کوہ گراں ست، بکا ہے نفروشند
با خون دل خویش خریدن دگر آموز

قوموں کے عروج و ترقی کے لئے ایمان اور عمل صالح کے بعد تیسری اور آخری شرط علم و حکمت کی ہے ، جس کو خداوند تعالےٰ نے خیر کثیر کہا ہے :-

''ومن یوت الحکمتہ فقد اوتی خیرا کثیراً''

گفت حکمت را خدا خیر کثیر هر کجا این خیر را بینی بگیر
سید کل صاحب ام الکتاب پردگی ها بر ضمیرش بے حجاب
گر چه عین ذات را بے پرده دید رب زدنی از زبان او چکید

قران پاک میں انسانی شرف کی بنا حقائق اشیا کے علم کو ٹھہرایا گیا ہے۔ چنانچہ ''وعلم آدم الاسماء کلہا'' کی آیت شریفہ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ انسان اپنے علم کی قوت سے آسمانوں کے سینے میں شگاف کرتا ہے اور عالم رنگ و بو کو اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ وہ فطرت کی کمی اور کوتاهی کو اپنے منشاء کے مطابق دور کر سکتا اور اسکی فزونی کو کم کر سکتا ہے۔ انسانی آزادی اور اختیار اسکے علم ہی کا ایک کرشمہ ہے، اس علم کی بدولت وہ ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں ساری کائنات اسکے زیر نگیں آجاتی ہے اور عناصر پر اسکی حکمرانی ہوتی ہے :-

خنک روزی که گیری این جہان را شگافی سینۂ نہ آسمان را
بکف بردن جہان چار سوٗ را مقام نور و صوت و رنگ و بو را
فزونش کم، کم او بیش کردن دگرگوں بر مراد خویش کردن
شکوہ خسروی این است و این است همیں ملک است کو توأم بدین است

قانون طبعی کی رو سے عمل صالح کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ موالید و عناصر کو مطیع کیا جائے اور انہیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ جماعتیں اسی وقت آزادی اور عزت کی زندگی بسر کر سکتی ہیں جبکہ وہ خارجی دنیا پر اور اس کی پوشیدہ قوتوں پر تصرف حاصل کریں۔ تمدن کی ترقی عبارت ہے عالم خارجی پر تصرف حاصل کرنے کے طریقوں کی ترقی سے۔ قوائے عالم کی تسخیر استحکام خودی اور حیات ملیہ کی توسیع کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اقبال نے فطرت کو ارباب نظر کا تختہ تعلیم قرار دیا ہے، جسکے ذریعہ انسان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ انسانی روح کے

تقاضے جسقدر شدید ہونگے فطرت اسی مناسبت سے اپنے راز ہائے سر بستہ اس پر منکشف کرے گی ۔

ما سوا از بہر تسخیر است و بس — سینۂ او عرصۂ تیراست و بس
ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد — عالمے از ذرۂ تعمیر کرد
تا ز تسخیر قوائے این نظام — ذو فنو نیہائے تو گردد تمام
نائب حق در جہان آدم شود — بر عناصر حکم او محکم شود

اقبال نے اپنے خطبات میں قرآنی آیات کی تشریح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ صرف علم کے ذریعہ انسانی ذہن عالم محسوس کے پرے جا سکتا ہے اور اس پر تصرف حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تصرف جو علم کے ذریعہ ممکن ہے حفظ حیات اور استحکام خودی کا ضامن ہوتا ہے :۔

علم از سامان حفظ زندگی است — علم از اسباب تقویم خودی است
دست رنگیں کن ز خون کوہسار — جوئے آب گوہر از دریا بر آر
صد جہان در یک فضا پوشیدہ اند — مہرہا در ذرہ ہا پوشیدہ اند
از شعاعش دیدہ کن نادیدہ را — وا نما اسرار نا فہمیدہ را
تابش از خورشید عالم تاب گیر — برق طاق افروز از سیلاب گیر
جستجو را محکم از تدبیر کن — انفس و آفاق را تسخیر کن

قوموں کے عروج و زوال کے یہ وہ ابدی قوانین ہیں جن کو قرآن کریم سے اخذ کرکے اقبال نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور جو آج بھی اسی طرح تازہ زندگی بخش سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں حرز جاں بنایا جائے اور پوری قوت اور استقامت کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے ۔ ملت بیضاء کے لئے اقبال کا ایک انتہائی جاں افروز پیام اور سن لیجئے :۔

عہد نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوام کہن ایندھن ہے
ملت ختم رسل شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا